Lesson 3: Nahl (Ayaat 41- 64): Day 11 سُوۡرَۃُ النّحل کی تفسیر

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَۙ ﴿۴۳﴾

اے محمدؐ، ہم نے تم سے پہلے بھی جب کبھی رسول بھیجے ہیں آدمی ہی بھیجے ہیں جن کی طرف ہم اپنے پیغامات وحی کیا کرتے تھے اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم لوگ خود نہیں جانتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک سوال تھا۔ کہتے تھے کہ ایک انسان پر وحی کیوں آئی۔ لوگ ہمیشہ ہی دین والے کے ساتھ سپر ہیومن ہونے کا تصور رکھ لیتے ہیں، کہ ان کو تو عام لوگوں سے کچھ الگ ہی ہونا چاہیے۔ وہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانا کھاتے، دنیا کے کام کرتے، رفع حاجت کے لیے جاتے دیکھتے تو کہتے کہ یہ کیسا انسان ہے کہ جو ہم جیسا ہی ہے۔ اللہ تعالی نے یہ بتادیا کہ بشر اور نبی میں فرق 'وحی' کا ہے۔

سورہ کہف آیت 110 میں ہم نے پڑھا کہ لوگو، میں تم جیسا انسان ہوں۔ آج بھی جس نے سیرت نہیں پڑھی، ان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ ایسے ہی خیالات ہیں۔ آپ جب سیرت پڑھتے ہیں تو آپ کو پتہ چلتا ہے کہ یہ اللہ کا بندہ ہے، انکو بھوک بھی لگتی ہے، ان کے زخموں پر پٹی بھی بندھتی ہے، ان کے پیٹ پر پتھر بھی بندھے ہیں۔ کبھی گھر میں اپنی بیویوں کے ساتھ مدد کرتے ہیں، اپنی بیوی سے محبت کرتے ہیں۔ اپنے نواسوں کو کندھوں پر بٹھا لیتے ہیں۔ ایک دفعہ امام حسن یا حسین میں سے کوئی آیا، اپنی ہی قمیض میں پاؤں اٹکا اور گر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، نبی صلی اللہ وسلم بھول گئے وہ خطبہ دے رہے ہیں اور فوراً اس بچے کو اٹھا لیا اور پھر وہ آیت پڑھی 'کہ اولاد اور مال فتنہ ہیں'۔

اللہ کے نبی انسان تھے اور آج بھی جو دین کا کام کرتے ہیں وہ انسان ہیں۔ آج بھی لوگوں کو بہت دھوکا ہوا کہ دین داروں کے ساتھ کچھ کرامات ہیں ۔ رِجَالًا مرد کے لیے آتا ہے۔ اس سے مفسرین نے ایک بہت بڑا اُصول بھی نکالا، اس پہ وہ جھگڑا جو حضرت مریم کے ساتھ آتا ہے کہ حضرت مریم علیہ السلام نبیہ ہیں یا صدیقہ۔ تو اس آیت سے اس لفظ رِجَالًا سے یہ مطلب نکلا کہ حضرت مریم علیہ السلام نبی نہیں تھی۔ کیونکہ یہاں رجال کا لفظ آیا۔ الرجال مرد کے لئے آتا ہے۔ لیکن یہاں رِجَالًا سے مراد بشریت ہے۔ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَۙ۔ ہے پھر تم اہلِ ذکر سے پوچھ لو، اگر تم خود نہیں جانتے۔ یہاں اہلِ ذکر سے مراد 'علم والے' ہیں۔ علماء اہل کتاب کی طرف اشارہ ہے کہ مکہ والو، تم توان پڑھ ہو لیکن تم جو اہل کتاب کے کھلے دل والے لوگ ہیں، ان سے پوچھ لو کہ تم بتاؤ تمھارے جتنے نبی آئے ان میں کوئی عورت تھی، کوئی جن تھا، کوئی فرشتہ تھا۔ وہ سب انسان تھے۔ تو اس شخص کے انسان ہونے میں تمہیں کیا مسئلہ ہے۔

یہاں سے ایک اور بات دیکھی کہ ہر دور میں نبی کے بشر ہونے کے بارے میں غلط تصورات ہیں۔ مکہ والے کہتے تھے کہ اللہ کے نبی بشر ہیں، اس لئے ہم نہیں مانتے۔ آج کا مسلمان اللہ کے نبی کو کہتا ہے کہ اللہ کے نبی نور ہیں، یہ نوری ہیں۔ اللہ کہتے ہیں تم جو مرضی کہو لیکن اللہ کے نبی بشر تھے۔ اگر کوئی آپ سے پوچھے کہ اللہ کے نبی نور تھے یا بشر، آپ دو جملوں میں بات کو ختم کریں کہ ہمیں یہ تو نہیں پتا کہ اللہ کے نبی نور تھے یا بشر تھے، لیکن اگر ہم ان کے بتائے ہوئے کام کریں اور ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں تو ہم نورانی ہو سکتے ہیں۔ یہ کام صرف وہی کرتے ہیں جو ہدایت پر نہیں ہوتے۔ آج بھی لوگ دین کی ہدایت سے دور ہونے کی وجہ سے فقہی مباحث میں پڑتے ہیں اور جتنے فتنے اٹھتے ہیں وہ

انھیں مباحث کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ ہمیشہ پیغام پہ نظر رکھیں۔ لیکن یہاں مکہ والوں کو نبیؐ کا پیغام بھی پسند نہیں تھا، کیوں کہ وہ باپ دادا کے طور طریقوں سے مختلف تھا۔ مکہ والوں کو پیغام سے چِڑ تھی اور مدینہ والوں کو پیغامبر سے چِڑ تھی۔ نبیؐ اُن کے اپنے تھے لیکن اُنکی باتیں اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔ یہود کے تو دل مانتے تھے کہ آپؐ سچے ہیں لیکن چڑ اِس بات کی تھی کہ سگے اور سوتیلے کا فرق ہے۔ بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل سے کیوں ہیں۔

آیت 44 بہت اہم آیت ہے۔ اسکا ٹاپک ہے "حُجیتِ حدیث"، یعنی حدیث کی اہمیت اور نبی کیوں بھیجے جاتے ہیں، اُسکی وجہ اس آیت میں بیان کی گئی۔

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۗ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٤٤﴾

پچھلے رسولوں کو بھی ہم نے روشن نشانیاں اور کتابیں دے کر بھیجا تھا، اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اُس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو اُن کے لیے اتاری گئی ہے، اور تاکہ لوگ (خود بھی) غور و فکر کریں۔

کہا کہ نبی دلائل کے ساتھ بھیجے گئے۔ اور وَالزُّبُرِ کتاب کے ساتھ۔ یعنی نبی آئے تو بشر تھے لیکن اُن کے پاس دلائل تھے۔ بِالْبَيِّنٰتِ، بِالْبَيِّنٰتُ کی جمع ہے۔ بِالْبَيِّنٰتِ 'کھُلے' کو کہتے ہیں۔ بیان بھی اسی سے ہے۔ زُّبُر زبور کی جمع ہے۔ زبور چھوٹی کتابوں کو کہتے ہیں۔۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو جو کتاب دی گئی وہ بھی بک لیٹ تھی۔ نظم، نعت، ترانے، اس طرح کی کتاب تھی۔ سورہ قمر آیت 52 میں بھی یہی لفظ ہے کہ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿٥٢﴾ اور جو کچھ انہوں نے کیا، (ان کے) اعمال ناموں میں

(مندرج) ہے ۔ تو بتایا کہ کچھ کتابیں ان کو دی گئی تھیں۔ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ ، کہا اے نبیؐ ہم نے آپکی طرف ذِکر نازل کیا، تا کہ آپ لوگوں واضع کر دیں، وہ جو اُنکی طرف نازل کیا گیا۔

اُسکا کیا فائدہ ہو گا وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ تا کہ وہ غور و فکر کریں۔ شروع میں ہم سورۃ بقرہ میں ہم پڑھتے ہیں کہ اللہ کے نبی پر ایمان لانے والوں کی چھ صفات میں سے ایک صفت یہ ہے کہ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۚ، یہاں یہ نہیں کہا قرآن پہ ایمان لاتے ہیں، لفظ 'قرآن' آسکتا تھا۔ لیکن یہاں پہلے سے 'حدیث' مراد ہے۔ جس طرح قرآن اللہ کے نبی پر نازل ہوا، اسی طرح حدیث بھی اللہ کے نبیؐ پر نازل ہوئی۔ سورۃ نجم میں ہم پڑھیں گے کہ یہ نبی اپنے منہ سے کچھ نہیں بولتے، جب تک اللہ ان کو نہ کہے۔ تو اللہ کے نبی سے جو حدیث آئی وہ سب اسی میں تھی۔

یہاں قرآن کے لیے لفظ ذِّكۡرَ ہے، تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس سے مراد یاد دہانی ہے۔ یہ آیت منکرینِ سُنّت اور منکرینِ حدیث کے خلاف ایک واضع دلیل ہے۔ جس طرح قرآن نازل ہوتا ہے، اُس طرح قرآن کی تبیین بھی نازل ہوتی تھی۔ تبیین سے مراد verify کرنا، یہ بھی اللہ کے نبیؐ کا کام تھا۔ جب قرآن نازل ہوتا تو اللہ کے نبیؐ صحابہ کو سکھاتے۔ اگر اُنہیں کوئی مفہوم نہ سمجھ آتا تو وہ اللہ کے نبیؐ سے پوچھتے۔ نبیؐ نے لوگوں تک قرآن کیسے پہنچایا، تو سب سے پہلے جو قرآن آپ کے اوپر نازل ہوتا تھا، تو آپ خود اُس پہ عمل کرتے تھے۔ جیسے نماز کا حکم آیا تو آپؐ خود نماز پڑھتے تھے وہ عمل ہو گیا۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ لوگوں کو جا کے نصیحت کرتے تھے۔

تیسرا طریقہ یہ تھا کہ اگر کوئی آپ کے سامنے عمل کر رہا ہوتا، آپؐ کو لگتا کہ اسکا یہ عمل ٹھیک ہے تو آپؐ خاموش رہتے۔ نبیؐ کے کلام کی طرح اُنکی خاموشی بھی قانون تھی۔ اللہ کے نبیؐ غلط چیزوں پر چُپ نہیں رہتے تھے۔ وہ کہتے تھے اگر میں چُپ رہا تو لوگ سمجھیں گے کہ یہ جائز ہے۔ صحابہ میں سے اگر کسی نے کوئی کام کیا اور نبیؐ خاموش رہے تو یہ بھی حدیث تھی۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ حدیث کی تین اقسام ہیں۔

1۔ قولی، جو خود بول کے لوگوں کو بتائیں۔

2۔ فعلی، اپنے عمل سے

3۔ تقریری، مثلاً ایک شخص فجر کی نماز میں آیا، باجماعت نماز پڑھی اور کونے میں نماز پڑھنے لگ گیا۔ جب سلام پھیرا تو آپؐ نے پوچھا کہ ساتھی یہ تونے کیا کیا، ایک کے بعد پھر نماز پڑھ لی۔ کہا اللہ کے نبی میری آج فجر کی سُنتیں رہ گئی تھیں، جب میں مسجد آیا تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے بعد اپنی سُنتیں پڑھ لیں۔ یہ اُسکا عمل تھا۔ اللہ کے نبیؐ خاموش رہے۔ اس سے ہمیں مسئلہ مل گیا کہ سُنتیں بعد میں بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ یہ تقریر ہے۔

اس سے ایک اور بات کا ازالہ ہوتا ہے کہ یہ قرآن کوئی ادھوری چیز نہیں ہے، جو اللہ کے نبیؐ نے ہمیں دی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی کو موقع نہیں ملا یہ بتاتے کہ قرآن خوانی کروائی جاسکتی ہے، میلاد منایا جاسکتا ہے۔ صحابہ نے بھی وہ کام نہیں کیے جو آج ہم مسلمان کرتے ہیں۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے نبی نے واضح دین دیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے نبیؐ نے کہا کہ لوگوں میں تمہیں ایک ایسا دین دے کے جارہا ہوں جس کی راتیں صبح کی طرح روشن ہیں۔

صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے سامنے سے اگر کوئی پرندہ بھی گزرتا تو اللہ کے نبی اس کے بارے میں بھی ہمیں بتاتے۔لوگ ایک اور بات بھی کرتے ہیں کہ آئمہ اکرام نے دین کو آسان کر دیا احادیث پڑھیں تو انسان الجھ جاتا ہے۔ یہاں سے ایک استاد کی اہمیت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اللہ کے نبی پر قرآن اُترا تو انہوں نے پیش بھی کیا۔ استاد کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ لوگوں پر رعب ڈالنے کے لیے احادیث پر احادیث پیش کرے اور آیات پر آیات پڑھتا جائے۔ ایک استاد کا کام یہ ہے اور اللہ کے نبیؐ اس وقت ایک اُستاد ہی تھے کہ لوگوں کو علم دینے کے ساتھ ساتھ اس کو جذب کرنا بھی سکھائے۔

ہمارا دین چونکہ ایک عملی دین ہے یہ صرف لٹریچر سے نہیں آئے گا۔کچھ عمل ایسے ہوتے تھے کہ جبرائیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کر کے دکھاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کر کے دکھاتے تھے۔ جس میں نماز اور وضو کے طریقے بھی شامل ہیں۔ شبِ معراج کے بعد جب نماز فرض ہوئی اس کے بعد دو دن تک جبریل اَمین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے رہے ایک دن بالکل ابتدائی وقت میں نماز پڑھائی اور اگلے دن انتہائی وقتوں میں نماز پڑھ کے دکھائی۔ پھر کہا کہ آپؐ کی امت کے لئے نمازوں کے لئے یہ اوقات ہیں۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو عمل کر کے دکھاتے تھے۔

آپؐ کے نکاح لوگوں کے لئے عملی مثال تھے۔حج کے طریقے، یہ سب اللہ کے نبی نے کر کے بتائے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کے مطابق اپنی زندگیوں کو گزارنے کی توفیق دے۔ آمین

قرآن کے کچھ احکامات مجمل ہیں۔ ان کا بس ذکر کیا گیا، لیکن حدیث میں اس کو بتایا گیا۔ جیسے نکاح کا طریقہ پورے قرآن میں کہیں نہیں لیکن حدیث میں اس کو بتایا گیا۔ وضو کا طریقہ موجود نہیں ہے صرف تذکرہ موجود ہے، لیکن حدیث میں وضو کا طریقہ ملتا ہے۔ اللہ کے نبیؐ سب کچھ کر کے لوگوں کو دکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ لوگو تم بھی اسی طرح کرو تاکہ تمہیں زندگی گزارنی آجائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی عمل کی توفیق دے۔ آمین

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۙ

﴿۴۵﴾ پھر کیا وہ لوگ جو (دعوت پیغمبر کی مخالفت میں) بدتر سے بدتر چالیں چل رہے ہیں اِس بات سے بالکل ہی بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے، یا ایسے گوشے میں ان پر عذاب لے آئے جدھر سے اس کے آنے کا ان کو وہم و گمان تک نہ ہو۔

1۔ پکڑ کا پہلا طریقہ، ایسے لوگ جو اللہ کی نافرمانیاں کرتے ہیں، اللہ اُنکو ایسے عذاب دے کہ زمین پھٹے اور یہ اُس کے اندر چلے جائیں۔

2۔ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۙ، یا ایسے گوشے میں ان پر عذاب لے آئے جدھر سے اس کے آنے کا ان کو وہم و گمان تک نہ ہو۔

اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۙ ﴿۴۶﴾

یا اچانک چلتے پھرتے ان کو پکڑ لے، یا ایسی حالت میں انہیں پکڑے جبکہ انہیں خود آنے والی مصیبت کا کھٹکا لگا ہوا ہو اور وہ اس سے بچنے کی فکر میں چوکنے ہوں؟

پہلی صورت یہ تھی کہ جب یہ گناہ کرتے ہیں تو بھول جاتے ہیں۔ اشارہ نبیؐ کے قتل کی کوششوں کی طرف ہے۔ سورۃ انفال میں ہم یہی بات پڑھ چکے ہیں۔ تو مکر یہ تھے کہ نہ رہیں نبیؐ، نہ رہے دین کا کام، سب سے بڑی سازش اللہ کے نبیؐ کو مارنے کی ہے۔ دارالندوہ کی سرگرمیوں کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کے نبیؐ کو راستے سے ہٹا دینے کی سازش کی گئی۔ اللہ کہتے ہیں جب یہ ایسے کرتے ہیں تو کیا یہ چاہتے ہیں کہ ہم ان کو زمین میں دھنسا دیں۔ سورہ قصص آیت 81 میں قارون کے بارے میں آتا ہے فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ آخر کار ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ جس زمین پر کسی غلط کام کی تیاریاں ہو رہی ہوتی ہیں کیا لوگ یہ چاہتے ہیں کہ یہاں سے زمین پھٹے اور لوگ اس کے اندر چلے جائیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ان پر عذاب وہاں سے آئے جہاں سے یہ سوچ بھی نہیں سکتے۔ پچھلے سبق میں ہم نے دیکھا کہ ان کی اولادوں کو مسلمان کر دیا گیا۔ بعض دفعہ آسمانی آفات آ جاتی ہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِىْ تَقَلُّبِهِمْ ، پکڑ لیتے ہیں ان کے چلنے، پھرنے میں۔ تَقَلُّبِهِمْ ، قلب کہتے ہیں حرکت دینے کو۔ اُلٹ پلٹ کرنا۔ دل کو بھی قلب اسی لیے کہتے ہیں کہ اس کے اندر جذبے بدلتے رہتے ہیں۔ اس سے مراد ان کی مصروفیات، مراد ہے گھوم پھر رہے ہیں، موج مستی کر رہے ہیں۔ جیسے سورۃ آلِ عمران آیت 196 میں آیا لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِى الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾

اے نبیؐ! دنیا کے ملکوں میں خدا کے نافرمان لوگوں کی چلت پھرت تمہیں کسی دھوکے میں نہ ڈالے۔

اسی طرح تَقَلُّبِهِمْ ، کا ایک معنی ہے کہ موج مستی میں تھے کہ اچانک عذاب آ گیا۔ ایک اور مطلب ہے 'اختلاف'، مباحث میں پڑے رہتے ہیں۔ اسلام کے، مسلمانوں کے خلاف مباحث میں پڑے

رہتے ہیں۔ اللہ کہتے ہیں کہ کیا ہم انکو نہ پکڑ لیں۔ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ پس وہ نہیں عاجز کرنے والے، اللہ کو۔ بِمُعْجِزِيْنَ، عجز کہتے ہیں کسی کام کے کرنے سے قاصر ہونا۔ اللہ قادر ہے تو اُس کا اُلٹ عُجِزِ ہے۔ مراد یہ ہے کہ تم بھاگ دوڑ میں تھے اور اللہ تمہیں پکڑ لے۔ اللہ کہتے ہیں کہ تم گناہ کر کے مجھے بے بس نہیں کر سکتے۔ عذاب کی اگلی صورت؛

اَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٤٧﴾ وہ جو کچھ بھی کرنا چاہے یہ لوگ اس کو عاجز کرنے کی طاقت نہیں رکھتے حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بڑا ہی نرم خو اور رحیم ہے۔

تَخَوُّفٍ کا لفظ خوف سے ہے۔ یعنی ان کو خوف دلا دے۔ اتنا شفیق اور مہربان رب بھی کبھی لوگوں کو پکڑ لیتا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل آیت 15 میں آتا ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ (لوگوں کو حق و باطل کا فرق سمجھانے کے لیے) ایک پیغام بر نہ بھیج دیں۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ یہاں پکڑ کے مختلف انداز ہیں۔ تم اس نبی کی قدر نہیں کرتے۔ بی جو دین آپ کو دینا چاہتے ہیں اس میں آپ کا ہی فائدہ تھا، لیکن تم ماننا نہیں چاہتے۔ تَخَوُّفٍ کا ایک معنی کمی بھی ہے۔ یعنی خوف اور کمی کر کے، تمہاری تعداد کو کم کر دے۔ تمہاری عمروں کو گھٹا دے۔ تم اس نبی کے ساتھ ایسا کرتے ہو تو اللہ یہ سب تمہارے ساتھ کر سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مکہ والوں کے ساتھ یہی ہوا۔ اللہ نے مخصوص طریقے سے انہیں ایسے پکڑا کہ ان کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ ان کا غلبہ ختم ہو گیا۔ یہاں ہم سب کے لیے ایک ڈراوا ہے کہ جب بھی نافرمانی کریں تو یہ سوچ لیں کہ ہم اللہ کو چیلنج کر رہے ہیں۔ آپکو دنیا میں کئی ایسے خاندان نظر آتے ہیں کہ ایک

وقت تھا کہ اُن کا بڑا نام تھا لیکن آج اُنکا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ دنیا میں نافرمانیوں کے ساتھ رہنا، یہ انسان کا حق نہیں ہے۔

فطرت کا اصول ہے کہ جو چیز اللہ کے ساتھ خود کو مقابلے پہ لے آتی ہے وہ اُس کو مہلت دیتا ہے۔ صحیح بُخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ صحیح بات کو سُن کر اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی صبر نہیں کرتا۔ اللہ کی پکڑ کبھی بھی آسکتی ہے۔ انسان جب بھی کوئی نافرمانی کرے، حتیٰ کہ پاؤں بھی زمین پہ رعونت سے زور سے مارے تو اُسکو یہ سوچنا چاہیئے کہ اگر ابھی زمین پھٹے اور میں اس میں چلی جاؤں تو کیا ہو گا۔

قیامت کی علامتوں میں سے ہے کہ زمین پھٹے گی اور لوگ اُس میں دھنس جائیں گے۔ ساحلی علاقوں میں جو گھر ہوتے ہیں وہ پانی کی وجہ سے کھوکھلے ہو جاتے ہیں اور پورے پورے گھر زمین بوس ہو جاتے ہیں۔ تصور کریں ایک شخص ہے، کشتی میں سفر کر رہا تھا۔ اچانک کشتی ہچکولے کھانے لگی اور وہ پانی میں گر گیا۔ اب وہ پانی میں ڈوب رہا ہے، تلاش ہے کہ کہیں کنارے لگ جاؤں۔ اتنے میں اُس کے پاؤں کسی سخت چیز پہ لگتے ہیں اور وہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ کچھ لمحوں میں اُسے یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ جس چیز پہ کھڑا ہے وہ ٹائم بم ہے۔ آپ اُسے کہیں کہ تم پانی میں انجوائے کرو، مناظر دیکھو تو وہ کہے گا اللہ کے بندو، میری زندگی داؤ پہ لگی ہے۔

اس مثال کو اس دنیا پہ لیں۔ یہ دنیا ٹائم بم ہے۔ اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں۔ پچھلے سبق میں ہم پڑھ چکے ﴿إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَآ أَرَدْنَٰهُ أَن نَّقُولَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ﴿٤٠﴾﴾۔ گناہ کرتے ہوئے ڈرنا چاہیے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب انسان گناہ کرتا ہے تو زمین کانپتی ہے۔ اللہ کے نبیؐ سے زلزلوں کے آنے کی وجہ پوچھی، تو فرمایا کہ زمین انسانوں کے گناہوں سے کانپتی ہے تو زلزلہ آتا ہے۔